مولانا محمد جعفر پھلواروی

ایک حدیث

تین جنّتی خصائل

سیدنا ابوہریرہؓ ایک ارشادِ نبوی یوں بیان فرماتے ہیں:

ثلٰث من کن فیہ حاسبہ اللّٰہ تعالیٰ حسابًا یسیرًا و ادخلہ الجنۃ برحمتہ ۔ تعطی من حرمک ۔ وتعفو عمن ظلمک وتصل من قطعک (رواہ الطبرانی فی الاوسط و الحاکم فی المستدرک)

جس شخص میں یہ تین باتیں ہوں اس کے حساب کتاب میں اللّٰہ تعالیٰ آسانی پیدا فرما دے گا، اور اپنی رحمت سے اسے داخل بہشت کرے گا: (۱) جو تمہیں محروم رکھے اسے عطا کرو ۔ (۲) جو تم سے زیادتی کرے اس سے درگزر کرو اور (۳) جو تم سے قطع رحمی کرے اس سے صلہ رحمی کرو۔

دیکھنے میں تو یہ باتیں بڑی معمولی سی باتیں ہیں لیکن ذرا ڈوب کر دیکھیے تو اخلاقی قدروں کا پورا پورا سمندر اس کوزے میں بند نظر آئے گا ۔ کسی کو کچھ عطا کرنا یا دینا تو ایک ایسی بات ہے جو سبھی کرتے ہیں ۔ کبھی خوشی سے اور کبھی ناگواری سے، کبھی خوف سے اور کبھی کسی غرض سے ۔ مثلاً:

۱ - ہم بجلی، پانی، گیس، ٹیلی فون کے بل اس خوف سے ادا کرتے ہیں کہ اگر نہ کیا تو کنکشن کاٹ دیا جائے گا اور ہم ان نعمتوں سے محروم ہو جائیں گے ۔

۲ - انکم ٹیکس اور پراپرٹی ٹیکس اس لیے دیتے ہیں کہ اس میں کوتاہی سے جرمانے، قید اور نیلامی وغیرہ کا خطرہ سامنے آ جاتا ہے ۔

۳ - ہم کئی جگہ تحائف و ہدایا بھیجتے ہیں اس لیے کہ ان کی طرف سے بھی ہمارے پاس ہدایا و تحائف آتے رہتے ہیں ۔

۴ - بعض جگہ ہم اس لیے تحائف پیش کرتے ہیں کہ کوئی جائز کام نکالنا مقصود ہوتا ہے ۔

۵ - بعضوں کو ہم اس لیے بھی کوئی "نذرانہ" پیش کرتے ہیں کہ ان سے کوئی ناجائز کام لینا مطلوب ہوتا ہے ۔ مثلاً حق کسی اور کا ہے اور قابض ہم ہونا چاہتے ہیں ۔

یہ ساری قسمیں "دینے" ہی کی ہیں لیکن اعلیٰ اخلاقی قدروں سے ان کا کوئی خاص تعلق نہیں بلکہ بعض عطائیں تو ایسی ہیں جو اخلاقی پستی کے سوا کچھ نہیں - اس سے آگے چلیے تو ایک قسم دینے کی اور بھی ہے جو یا تو شرما شرمی ہوتی ہے یا ایک عام روش کے مطابق ہوتی ہے یا پیچھا چھڑاتے ہوئے سائل کی بلا ٹالنا مقصود ہوتا ہے - جذبۂ رحم دلی یا ہمدردی کا تقاضا ہوتا ہے - یا زیادہ سے زیادہ "حصول ثواب" کا ایک مبہم سا تصور کارفرما ہوتا ہے - مثلاً جب ہم کسی سائل کو تھوڑے سے پیسے دیتے ہیں تو وہاں انہی مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات ہوتی ہے بہرکیف ایسے موقع پر وہ صورت نہیں ہوتی، جو ۳۱ میں مذکور ہوئی ہے یعنی: ھل جزاء الاحسان الا الاحسان والی توقع نہیں ہوتی۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ کبھی تو یہ اعطاء و اھداء (تحفہ دینا) دونوں طرف سے ہوتا اور کبھی یک طرفہ ہوتا ہے - یہ دونوں ہی قابلِ ستائش ہیں - اول الذکر یعنی دو طرفہ اھداء کو تھادی کہتے ہیں جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہے اور اس کی مصلحتوں کو بھی بتا دیا ہے - مثلاً:

تھادوا تحابوا - ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو اس سے باہمی محبت قائم رہے گی۔ (ابن عساکر و ابو یعلیٰ عن ابی ہریرہ)

تھادوا الطعام بینکم فان ذالک توسعۃ فی ارزاقکم - ہدایا کا مبادلہ کرو - اس سے روزی میں وسعت پیدا ہوتی ہے - (ابن عدی فی الکامل عن ابن عباس)

تھادوا ان الھدیۃ تذھب وحر الصدر - ہدیوں کا تبادلہ کیا کرو - ہدیہ سینے کی کدورت کو دور کر دیتا ہے - (ترمذی و مسند احمد عن ابی ہریرہ)

رہا یک طرفہ عطیہ و ہدیہ، تو اس کا مقام نیت کے مطابق متعین ہوگا - اگر لوجہ اللہ ہے تو یہ بڑی اعلیٰ قدر ہے - ایسے لوگوں کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا ۝ (سورہ دہر)

ہم جو مسکین، یتیم یا قیدی کو کھلاتے ہیں تو یہ صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہوتا ہے ہم اس کا کوئی معاوضہ تو کیا شکریہ بھی نہیں چاہتے۔

مختصر یہ کہ دو طرفہ اور یک طرفہ دونوں طرح کے اعطاء قابلِ ستائش ہیں۔ اول الذکر سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور دل کے غبار و کدورت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ثانی الذکر میں اخلاقی بلندی پیدا ہوتی ہے۔ یعنی یہ وہاں بخشش کرتا ہے جہاں سے جوابِ بخشش کی نہ کوئی توقع ہوتی ہے اور نہ اس کی کوئی خواہش ہوتی ہے۔

لیکن تمام قسموں کے اعطاء و اہداء سے اعلیٰ اور برتر قسم کا اعطاء وہ ہے جس کا بیان زیرِ بحث حدیث میں ہے۔ ذرا سوچیے! کتنی بڑی اخلاقی قدر ہے کہ ایک شخص کسی موقع پر آپ کی مدد کر سکتا تھا لیکن اس نے نہیں کی۔ آپ کو آپ کا حق دے سکتا تھا مگر نہیں دیا۔ آپ ضرورت مند تھے اور وہ اس پوزیشن میں تھا کہ آپ کو آ کر کچھ دے مگر جان بوجھ کر کترا گیا اور جو دے سکتا تھا وہ بھی روک لیا۔ فرمائیے ایسے بے مروت شخص کی طرف سے آپ کے کیا جذبات ہوں گے؟ اور جب وہ دوسرے موقعے پر ضرورت مند ہو جائے اور آپ اس پوزیشن میں ہوں کہ اس کی ضرورت کو رفع کر سکیں تو اس وقت آپ کے جذبۂ انتقام کا کیا تقاضا ہو گا؟ لیکن آپ اس کے سابق تنگ دلانہ برتاؤ کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اپنے جذبۂ انتقام کو کچل دیتے ہیں، اپنے نفس کو دبا دیتے ہیں اور پچھلی باتوں کو بھلا کر اسے دیتے ہیں جس نے آپ کو نہیں دیا تھا، اس کی مدد کرتے ہیں جو آپ کی مدد سے کترا گیا تھا، اس کی ضرورت پوری کرتے ہیں جس نے آپ کی ضرورت کے وقت اپنا منہ پھیر لیا تھا۔ یہ کتنی عالی ظرفی اور کیسی وسیع القلبی ہے اور اخلاقی نقطۂ نظر سے کتنا اونچا مقام ہے۔ کسی سائل یا حاجت مند کو دینا اتنی بڑی بات نہیں۔ اُسے دینا البتہ کمال ہے جس نے بوقتِ ضرورت آپ سے ہاتھ روک لیا تھا۔ جو آپ کو دے سکتا تھا مگر نہیں دیا۔ اسی صورت حال کا زیرِ نظر ارشادِ نبوی میں ذکر ہے۔ تعطی من حرمك۔

اس کے بعد دوسری اخلاقی قدر کا ذکر ہے۔ یعنی وتعفو عمن ظلمك۔ جس نے تم پر زیادتی کی، اس سے درگزر کرو۔ یہاں بھی ایک خاص نوع کی درگزر کا ذکر ہے۔ جب کوئی ظالم کسی پر زیادتی کرتا ہے اور وہ ہوتا ہے زبردست و قوی تو مظلوم کو درگزر کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ مجبوری کی درگزر ہوئی اور وہ مظلوم درگزر نہ بھی کرے تو اس سے ظالم کا کیا بگڑتا ہے۔ مظلوم ہی اپنی مظلومیت کا رونا روتا ہے۔ اندر سے کڑھتا رہتا ہے۔ انتقامی جذبات اور غصہ اندر ہی اندر

پرورش پاتے رہتے ہیں۔ مظلوم ہی کا خون کھولتا رہتا ہے اور مظلوم ہی کا اس سے جسمانی دماغی اور اخلاقی نقصان ہوتا ہے۔ اگر وہ مظلوم اس ظالم کے ظلم سے درگزر کرلے تو اس مظلوم کا دل اور سینہ صاف ہوجائے گا اور یہ بجائے خود ایک بڑا فائدہ ہے لیکن یہ درگزر ایک مجبوری کی درگزر رہے۔ وہ درگزر نہ کرے گا تو اور کیا کرے گا اور وہ ظالم کا کیا بگاڑ لے گا؟ یہ درگزر تو اپنے فائدے کے لیے ہے کہ اپنا سینہ صاف ہوجائے گا اور اپنا خون بے کار کھولنے سے محفوظ رہے گا۔ یہ کوئی بڑی اعلیٰ ظرفی نہیں، ایک معمولی سی اخلاقی قدر ہے۔

لیکن یہی درگزر بڑی اعلیٰ اخلاقی قدر اس وقت بن جاتی ہے جب ایک طرف ظالم کمزور پڑجاتا ہے اور دوسری طرف مظلوم اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ اگر چاہے تو ظالم سے اپنا پورا پورا انتقام لے لے۔ ظالم بے بس اور مظلوم صاحب اقتدار ہوتا ہے اور اسے بدلہ چکانے کی پوری قدرت ہوتی ہے۔ ایسے موقعوں پر اگر وہ مظلوم اپنے ظالم سے درگزر کرتا ہے تو یہ وہ اعلیٰ قدر ہوتی ہے جو پیغمبروں کو حاصل ہوتی ہے یا ان کے سچے پیروؤں کو۔ اسی عفو و درگزر کا زیرِ نظر حدیث نبوی میں ذکر ہے۔

اس کے بعد تیسری چیز کا ذکر یوں ہے: وتصل من قطعك جو تم سے کٹے تم اس سے جڑ جاؤ۔

یہاں اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جو تم سے قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ لیکن اگر اسے عام رکھا جائے تو اس کا دائرہ بڑا وسیع ہوجائے گا اور یہ محدود رحمی برادری میں بند ہونے کی بجائے وسیع انسانی برادری پر پھیل جائے گا۔

ایک انسان کو دوسرے انسان سے جوڑنے والی شے محض قرابت اور خاندانی برادری ہی نہیں اور بھی بہت سے عوامل ہیں۔ ہم عمری، ہم ذاتی، ہم مذہبی، ہم پیشگی، ہم وطنی، ہم زبانی، ہم جماعتی، ہم سبقی، غرض بہتیرے عوامل ہیں جو انسان کو دوسرے انسان سے جوڑتے ہیں۔ اور جہاں دو انسان جڑتے ہیں وہاں کسی ناخوشگوار بات سے الگ بھی ہوتے ہیں۔ اس جدائی میں جو یا ہمی قطع تعلق ہوتا ہے وہ کبھی تو دونوں طرف سے ہوتا ہے اور کبھی یک طرفہ ہوتا ہے یعنی ایک فریق ترکِ تعلق کرلیتا ہے لیکن دوسرے فریق کی طرف سے ایسا کوئی اقدام نہیں ہوتا۔ وہ اس

قطع تعلق کو مجبوراً اس لیے گوارا کرتا ہے کہ پہلا فریق قطع تعلق کر چکا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر دوسرا فریق پہلے فریق (یعنی قطع تعلق کرنے والے) سے کوئی قطع تعلق نہیں کرتا اور وہ انسانی فرائض پورے کرتا رہتا ہے جو پہلے بھی پورا کرتا رہتا تھا تو یہ ایک ایسا خلقِ عظیم، فراخ دلی عالی ظرفی اور اونچا کردار ہوگا جو مستحقینِ بہشت ہی کا ہو سکتا ہے۔ اگر ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ حساب کتاب میں انتہائی نرمی اور آسانی کا سلوک فرمائے تو یہ عین تقاضائے رحمت ہی ہوگا۔ یہ تینوں خصائل محمودہ اخلاقی اقدار اور فضائل کے وہ بلند مقام ہیں جو بے شمار انسانی کمزوریوں کو ڈھانپ لیتے ہیں اور بشری لغزشوں کے حساب کتاب میں اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرما دیتا ہے اور اسے جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔

یہاں ایک لفظ اس ارشادِ نبویؐ میں خاص طور پر مستحق غور ہے اور وہ ہے برحمتہ کا لفظ۔ یہ ایک لفظ اس غرور کو خاک میں ملا دیتا ہے جو نیک عملی سے بعض دفعہ پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ انسان اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو یہ بھی دراصل اللہ ہی کی بخشی ہوئی توفیق کے طفیل کرتا ہے اس لیے ہر وقت اسے اپنی گردنِ شکر خدا کے آگے جھکائے رکھنا چاہیئے۔ وہ کسی عمل ہی کو بہانہ بنا کر جنت میں جگہ دیتا ہے:

رحمتِ حق بہانہ می جوید رحمتِ حق بہا، نمی جوید

اس لیے کبھی یہ وہم بھی نہ لانا چاہیے کہ ہم عمل کی وجہ سے جنت کے قانونی حقدار ہو جاتے ہیں۔ عمل کی وجہ سے مغفرت نہیں ہوتی۔ صرف رحمتِ خداوندی کی وجہ سے نجات ہوتی ہے۔ اگر نیک عمل بخشش کا ذریعہ ہے تو وہ نیک عمل بھی تو خدا کی رحمت و توفیق ہی کا نتیجہ ہے۔ عام انسانی زندگی میں حسبِ مراتب نیک عمل اتنے نہیں ہوتے جتنے برُے عمل ہوتے ہیں۔ یہ اس کی رحمت ہی ہے جو وہ ہماری لغزشوں اور خطاؤں سے چشم پوشی اور درگزر فرماتا ہے ورنہ اگر وہ خردہ گیری پر آئے تو از روئے قرآن روئے زمین پر ایک متنفس بھی ہلاکت سے نہ بچ سکے۔ اس لیے اپنے کسی عمل پر غرور کرنا شیطنتِ محضہ ہے۔

زاہد شدہ بر بندگیِ خود متکبر ما ئیم و نظر بر کرم بندہ نوازے